تخلیق کائنات اور تخلیق انسان مظہر صفات الٰہی ہیں

مؤلف

قاری محمد ارشاد علی

جملہ حقوق اشاعت بحق مؤلف محفوظ

تفصیلات طباعت

نام کتاب	تخلیق کائنات اور تخلیق انسان مظہر صفات الٰہی ہیں
مؤلف	الحاج قاری محمد ارشاد علی
صفحات	۳۰
اشاعت	جنوری ۲۰۱۳
قیمت	مُفت
اہتمام	صاحبزادہ محمد طاہر علی
ای میل	islahitohfa@gmail.com

مزید موضوعات

https://islahitohfa.com

تنبیہ

اس کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔یہ دستاویز ایک آن لائن کتاب ہے، اس کتاب کو خصوصی طور پر انٹرنیٹ کے ذریعہ مفت فراہم کرنے کے لئے فارمیٹ اور ڈیزائن کیا گیا ہے۔اس کتاب کو اسی شکل میں بغیر کسی تبدیلی کے، اس کی تقسیم، طباعت، فوٹو کاپی اور الیکٹرونک ذرائع کے ذریعہ اس کی تقسیم اور اس کے مواد کو پھیلانے کی اجازت دیتا ہے۔اس شرط کے ساتھ کہ اس سے مالی طور پر نفع حاصل نہ کی جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم

تخلیقِ کائنات اور تخلیقِ انسان مظہر صفات الٰہی ہیں

یہ بات مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ واضح طور پر انسان کی رہنمائی کی ہے اور اسکو بتلایا ہے کہ دنیا میں اِس کا کیا مرتبہ ہے۔ زمین پر حقیقت میں اسکو کس لئے بھیجا گیا ہے۔ اسکی موجودہ زندگی کا حقیقی مقصد کیا ہے۔ زندگی بسر کرنیکے لئے اسکو کِن قوانین اور کِن اصولوں کی پیروی کرنی ہے۔ اِس سلسلے میں انسانی رہنمائی کیلئے نبیوں اور رسولوں کو دنیا میں بھیجا جاتا رہا ہے۔

مادہ پرستوں کا خیال ہے کہ کائنات کا نظم صرف فطری اور مادی قوانین کے سہارے قائم ہے اور دنیا میں جو کچھ دکھائی دے رہا ہے وہ صرف مادہ (Matter) کی کرشمہ سازی ہے۔ لیکن خود کائنات کا حیرت انگیز نظام انسان کے ایسے نظریہ کی تردید کرتا ہے۔

تشریح: کائنات میں اور انسان میں ایسے واضح اشارے پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی اور کائنات کا نظم کسی علیم، خبیر اور قادر مطلق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

وسیع کائنات میں جس علم و دانش اور رحمت کا اظہار ہوتا ہے اور انسان میں جو اخلاقی حِس اور شعور ہے ان سب باتوں کا سرچشمہ یا مرکز، بے جان اور بے شعور مادہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اخلاقی شعور اور جذبہ کا فطری مطالبہ ہے کہ انسان پر اخلاقی حس کا اصل راز ظاہر ہو اور انسان یہ جان سکے کہ اخلاقی شعور اور اخلاقی جذبات کا حقیقی سرچشمہ کیا ہے ؟ اور وہ کون سی ہستی ہے جو ہمارے اندر اخلاقی حس رکھی ہے۔

گلزار ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

اقبالؔ

معانی: گلزار ہست و بود: مراد یہ دنیا۔ بیگانہ وار: غیروں کی طرح۔ دیکھنے کی چیز: دل لبھانے والی چیز۔

مطلب: فنا و بقا سے مربوط دنیا کو اے باشعور انسان اجنبیوں اور بیگانوں کے انداز میں نہ دیکھ یہ تو ایک ایسا عالم رنگ بو ہے جسے بار بار دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس دنیا کے جملہ عناصر پر غور و خوض ہی لطف و مسرت کا سبب بن سکتا ہے۔

جس شخص نے بھی کائنات کو دیکھنے کی طرح دیکھا ہے اور اُسکی موجودگی کو پوری طرح محسوس کیا ہے وہ اس سے لازماً متاثر ہوا ہے۔ اسکے دل میں وجد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود کچھ پردہ باقی رہتا ہے اور ممکن ہے کہ کسی حسّاس شخص کو امید کی کوئی کِرن نظر آئے اور وہ سمجھنے لگے کہ وہ زندگی کی گہرائیوں میں اُترتا جارہا ہے اور وہ حقیقت کے قریب

آگیا ہے۔اور دولت آگہی (Enlightenment) اس کو حاصل ہو گئی ہے۔ فطرت کی آواز جس قدر خاموش ہے اتنی ہی زیادہ حقیقی بھی ہے۔

بہت ہے شور زمانہ میں آگہی کا مگر
جو اپنے رب کو نہ جانے وہ آگہی کیسی ؟

فطرت کے اشارے

جو لوگ کائنات اور زندگی کا گہرا مطالعہ کئے ہیں وہ اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کائنات ایک پُر اسرار ہے اسکے اندر بہت سے راز پوشیدہ ہیں۔ چنانچہ اہل دل اور اہل نظر کو اس بات سے ایک تحریک ایک ترغیب اور ایک جذبہ جستجو ملتا ہے کہ وہ دنیا سے سرسری نہ گزریں بلکہ کائنات اور اسکے فطری نظام اور اسکے اندر پائے جانے والی فطری قوانین (Locus of Nature) پر غور و فکر کرے اور یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ کیا اس دنیا کو اور زندگی کو یوں ہی وجود مل گیا ہے یا پھر ان کا کوئی گہرا مفہوم اور مقصد اور منشاء اسکے پیچھے ہے۔

اگر کائنات کا اور زندگی کا حقیقت پسندی اور ممکنہ گہرائی کے ساتھ بغور مطالعہ کریں تو ناامیدی، امید سے بدل جاتی ہے اور ہم میں یہ دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان کے اپنے وجود میں اور کائنات میں زمین سے لیکر آسمان تک ایسی بے شمار نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں جو اس بات کو ماننے پر مجبور کرتی ہے کہ یہ سب کچھ تخلیقی اہتمام اور انتظام یوں ہی بے معنی ہر گز نہیں ہے۔

(۱) سب سے پہلے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ نظم اور یہ صنعت اور یہ قدرت جو کائنات میں ہے وہ بغیر کسی ناظم یا صانع یا قادر کے نہیں ہے یہ نشانیاں تو ایک طرف کائنات میں ہیں اور دوسری طرف خود انسان کے اندر موجود ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انسان کو وجود کی نعمت بخش کر بقاء وجود کیلئے معیشت کے اعتبار سے کوئی ایک ذریعہ نہیں رکھا بلکہ بہت سے ذرائع پیدا کر دیے اور ان کو مختلف شکلیں دیے جیسے غلہ، پھل، ترکاری وغیرہ اس قدر شکلیں دیے کہ ان کا شمار مشکل ہو گیا۔

(۳) ٹھیک اسی انداز میں ہماری ہدایت کیلئے اور رہنمائی کیلئے بہت سے ذرائع فراہم کر دیے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کا منشاء اس سے یہ ہے کہ ہم عقل و فہم کی روشنی میں کسی چیز کو قبول اور کسی کو رد کریں۔ (اسی لیے قرآن میں عقل سے کام لینے پر اور غور و فکر پر کافی زور دیا گیا) اسی سے اشارہ ملتا ہے کہ انسان مُجرّد تصوّرات اور تخیلات اور خوش فہمیوں جیسے خطرات سے بچ جائے اور یہ بھی منشاء واضح ہوتا ہے کہ انسان کائنات اور محسوسات کی دنیا میں واضح چیزوں کے بغور مشاہدات کے ذریعے اُن حقائق تک پہنچے جو عقل اور حواس سے اونچے ہیں مثلاً خدا کا وجود، اسکی وحدت اور اسکی صفات اور اسکی عظمت وغیرہ۔ حق پوشیدہ ہے اور ظاہر ہے وہ حق کی نمائندگی اور اس کے وجود پر دلیل ہے۔ اگر یہ واضح دلیل نہ ہوتے تو حق تک رسائی مشکل ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو پردہ میں رکھا۔ اگر اسکے ساتھ وہ اپنی صفات کو بھی پوشیدہ رکھتا تو ذات حق تک رسائی بالکل مشکل ہو جاتی اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کو ظاہر کر دیا گویا کائنات اور انسان کا وجود، اللہ کی صفات کے مظہر ہو گئے تاکہ صفات میں غور و فکر کر کے ذات تک رسائی آسان ہو جائے۔

جس چیز کو کائنات میں ظاہر کر دیا اس تصویر کا لفظی بیان قرآن مجید میں کر دیا۔ اِدھر تصویر دیکھ اور اُدھر اس تصویر کا مقصد قرآن سے سمجھ۔ خالق پردے میں ہو گیا اور تخلیق کو ہماری آنکھوں کے سامنے کر دیا، اپنی صفات کو ایک ایک کر کے کائنات کے ہر مظہر میں اُس کا ظہور کر دیا چنانچہ اُسکی رحیمی اسکی ربوبیت اسکی قدرت اسکی صنعت اور اسکی حکمت، اسکی قہاریت، اسکی جبّاریت، اُسکی لطافت وغیرہ وغیرہ ان ساری صفات کو کائنات میں آشکارا کر دیا۔

سائنسی علوم مظاہر کائنات کو سمجھنے کیلئے بڑی حد تک مددگار ہیں۔ چنانچہ یہ انسان کے علم میں آ گئی کہ کائنات کی تخلیق اور اس تخلیق میں نظم و ضبط اور استحکام پایا جاتا ہے۔ ہر جگہ اور ہر مظہر میں ہمکو ایک غیبی ہستی کے کمال علم اور کمال قدرت کا پتہ چلتا ہے۔

اگر زمین موجودہ حجم کے بجائے کم حجم والی ہوتی تو اسکے اوپر جو ہوا کا غلاف ہے وہ بکھر جاتا اور زمین کی حفاظت اور زمینی مخلوق کی حفاظت نہ ہو سکتی۔ پروفیسر فلیشر (Fleischer) کی تحقیق ہے کہ روزانہ زمین کی فضاء میں خلاء سے ہوتے ہوئے ایک ارب شہاب ثاقب (meteors) داخل ہوتے ہیں

جنکی رفتار ۳۰ میل فی سیکنڈ یعنی رائفل کی گولی سے بھی تیز رفتار سے داخل ہوتے ہیں ان کو شہاب ثاقب یا شہابی حجر کہتے ہیں۔

Meteors: A meteor is a space rock or metal fragment (meteoroid) that burns up upon entering Earth's atmosphere, creating a bright, fleeting streak of light often called a "shooting star" or "fireball"

لیکن زمین کے اطراف پایا جانے والا ہوا کا حلقہ ہماری زمین کی حفاظت کرتا ہے جسکی وجہ سے شہاب ثاقب کی اس بارش کے ہولناک انجام سے زمین محفوظ رہتی ہے۔

اگر زمین کا موجودہ حجم اس حجم کے بجائے اگر ڈبل ہو جاتا تو ہوا کا غلاف یعنی اسکی تہہ جو زمین کے اطراف ہے گھٹ کر کچھ کیلو میٹر تک رہ جاتی پھر اس سے دیگر پریشانیاں لاحق ہو جاتیں۔ زمین کی محوری گردش ایک ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار سے ۲۴ ہزار میل کا فاصلہ ۲۴ گھنٹوں میں طے کر کے دن رات کا ظہور ہو رہا ہے اگر محوری گردش کی رفتار ۱۰۰ میل فی گھنٹہ ہو جاتی تو رات اور دن اب کے مقابلہ میں ۱۰ گنا بڑے ہو جاتے پھر دن کی گرمی اور رات کی ٹھنڈک کی وجہ سے زمین پر کوئی پودا نہ لگتا نہ غلہ ہوتا نہ پھل نہ ترکاری نہ سبزیاں۔

سورج زمین سے ۱۰ کروڑ ۵۰ لاکھ کیلو میٹر کے فاصلہ پر ہے اور اسکی سطح پر درجہ حرارت ۱۲ ہزار درجہ فارن ہیٹ ہے اگر یہ درجہ حرارت دوگنا ہو جاتا تو زمین کے باشندوں کو خواہ انسان ہوں یا حشرات الارض، چرند، پرند، درند، حیوانات ان سب کی زندگی ناممکن ہو جاتی کیونکہ موجودہ حالت ہی

میں گرمی ، گرما کے موسم میں ۴۵ سنٹی گریڈ (۱۱۳ فارن ہیٹ) تک جاتی ہے۔ اسکے بر عکس سورج کی سطح پر درجہ حرارت آدھا ہو جاتا تو زمین ٹھنڈک سے جم جاتی برف بن جاتی۔ سبحان اللہ یہ تناسب یہ تو وزن اور یہ ناپ تول کا ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ کائنات کے پیچھے ایک زبردست خیال ہے، زبردست منصوبہ ہے جس کے تحت کائنات کا نظام چل رہا ہے۔

کائنات میں جو قانون چل رہا ہے اس قانون میں باہمی تعاون اور تال میل ہے کہ زمین آسمان کا ساتھ دیتی ہے اور آسمان زین کا ساتھ دیتا ہے۔ گویا کائنات میں ایک قسم کا توافق (Coordination) ہے اور ایک قسم کی ہم آہنگی (Harmony) ہے۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کائنات کی سجاوٹ آراستگی کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں ہے کیونکہ اتفاقی حادثہ میں نظم و ضبط نہیں ہوتا توازن اور تناسب نہیں ہوتا، جیسے آپ دوات کی سیاہی کو کاغذ پر الٹ دیں تو ہندوستان کا نقشہ نہیں بنتا۔ حیوانات کو ایسا جسم دیا گیا ہے کہ اس سے وہ ماحول سے ہم آہنگی اور موافقت برقرار رکھ سکتا ہے۔ یہی ہم آہنگی نباتات میں بھی پائی جاتی ہے۔

انسانی دماغ کو لیں اس کے اندر ایک ارب خانے (یعنی cell) ہیں ہر خانے میں ۶۰ ہزار مرکزے پائے جاتے ہیں۔ ہماری زبان پر ۳۰ ہزار ذائقہ کے ٹیوب ہیں جن کے ذریعے سے کھانے کی چیز کے ذائقے کا پتہ چل جاتا ہے۔ اسی طرح باریک عضو کی تعداد جو ہمارے کانوں میں ہیں وہ ایک لاکھ ہے کہ ان کے ذریعے سے ہم کسی آواز کو سن سکتے ہیں۔

ہماری آنکھ لیں ۱۳۰ ملین (یعنی ۱۳ سو لاکھ) ایسے عضو ہیں جنگی حیثیت روشنی حاصل کرنے والے اعضاء یعنی (Light receptors) کی ہے یہ چیزوں کے دیکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ انسانی جسم میں پائے جانے والے خلیوں (cell) کے علاوہ ایک جوان آدمی کے جسم کی تمام رگوں یعنی (Veins) کو اگر لمبائی میں تانا جائے تو یہ لمبائی ۳۶ ہزار کیلومیٹر سے کہیں زیادہ ہی ہو گی۔

سر جیمس جینس (James Jeans)، اور پروفیسر الفریڈ نارتھ وائٹ ہیڈ (Alfred North Whitehead) کا کہنا ہے کہ کائنات کی منظّم اور مستحکم تخلیق کی شرح اور وضاحت ممکن نہیں ہے۔ جب تک کہ ہم کسی اسی ہستی کو تسلیم نہ کریں جو فطرت سے اونچی ہو۔ سر جیمس جنس کا خیال ہے کہ اس تخلیق کے پیچھے ایک زبر دست خیال (Conception) ہے۔ کائنات اور اُسکے نظام کے دقیق (غور و تحقیق سے سمجھ میں آنے والے نکتے یا راز) اور گہرے مطالعہ سے ہمکو اس ہستی کا عظمت، علم اس کی حکمت اور اسکی قدرت اور اس کی دانائی کا پتہ چلتا ہے۔

کائنات میں ہماری ضرورتوں کا مکمل نظام پایا جاتا ہے۔ زندہ رہنے کیلئے آکسیجن کافی مقدار میں فضاء میں موجود ہے۔ جسم کی بقاء کیلئے مختلف شکلوں میں موجود ہیں۔ ہماری پیاس کو بجھانے کا انتظام موجود ہے اس سے ہٹ کر بقاء نسل آدم کا انتظام موجود ہے۔ کیا ان سب زندہ ثبوتوں کے باوجود کوئی

یہ کہہ سکتا ہے کہ نظم، بلا ناظم کے ہے، علم بلا صاحب علم کے ہے۔ رحمت کی صفت سے کائنات معمور ہے لیکن رحیم ذات موجود نہیں ہے۔

نقش اس بات کا ثبوت ہے کہ نقاش موجود ہے۔ تصویر کا ہونا مصور کے وجود پر دلیل ہے۔ اب نقش اور نقاش کے درمیان تصویر اور مصور کے درمیان ایک پردہ ہے یہ اسکی حکمت ہے۔ نظر سے اوجھل ہونا نہ ہونے کے مترادف سمجھنا غلطی ہے۔

مادہ میں یہ صلاحیت کہاں کہ ہم اسکو علم، رحمت، صنعت، قدرت، حکمت کا سرچشمہ مانیں۔ لہٰذا یہ ماننا پڑیگا کہ یہ سب کرشمے ایک ایسی ہستی کا کرشمہ ہے جو بہت ساری صفات سے متصف ہے۔ اور وہ ہستی کا وجود زندہ ہے کیونکہ زندہ چیز ہی نفع پہنچاسکتی ہے۔ درخت ہرا ہے زندہ ہونے سے پھر اسکی وجہ سے پھل پھول سایہ اور اُسکی ہوا بھی ٹھنڈی، ٹھنڈی چھائیں بھی ہے اسی طرح دریا رواں ہے تو کشتی چل سکتی ہے۔آگ زندہ ہو تو حرارت ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ فیض رسانی کا تعلق زندگی سے ہے مذکورہ ساری صفات والی ذات زندہ یعنی حیّی اور قیُّوم بھی ہے۔ اسطرح دنیا کی ساری چیزیں کسی خالق کے وجود پر ثبوت ہیں کیونکہ وہ خود تو پیدا نہیں ہو سکتے۔ ایسے قادر مطلق کو خدا کا نام دینا ، خدا کے وجود کیلئے بذات خود یعنی ایک Autological دلیل ہے۔ رحیم صفت والی ذات سے امید کا تعلق ہی ہو سکتا ہے نا امیدی ممکن نہیں ہے۔ ایسی ہستی کے عظیم احسانات کی

نوازشات، عنایات کا انکار یا صَرف نظر دراصل اسکی عظمت کا انکار ہے۔ جو ایک جرم عظیم ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کی مادی چیزیں بہت قیمتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہمارے لئے وافر مقدار میں بغیر طلب کے اور بغیر انتظار کے ہماری ضرورت کی مناسب سے کائنات میں رکھ دیا۔

خدا کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اُس نے پیغمبروں کے ذریعے انسان سے خطاب کیا یہ انسان کا مرتبہ ہے۔ اسکی وجہ سے انسان یہ جان سکا کہ زندگی کا مقصد کیا ہے۔ دنیا میں انسان کو فضیلت کب اور کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ اسکے ساتھ یہ بھی ایک اصول ہے کہ جس کے احسانات ہوں اسکی اطاعت بندے پر ضروری ہو جاتی ہے۔ احسان فراموشی اور احسان ناشناسی اگر بندے کی طرف سے ہوتی ہے تو وہ ایک جرم عظیم ہو جاتا ہے۔ جس کی سرا بھی ایک ضروری بات ہے۔ اسطرح انسان کیلئے احسان شناسی کی جزا اور احسان فراموشی کی سزا کا تصور قائم ہو گیا۔ اسکے لئے ایک دن مقرر کرنا اور اس کا نام آخرت رکھنا ایک عام فہم بات ہو گئی۔ آخرت اعمال کے جزا اور سزا کے دن کا نام ہو گیا۔ اور اعمال انسانی کیلئے عرصہ حیات کی مہلت ہر انسان کو دیگئی۔ قانون زندگی دیا گیا اور عقل دیگئی تا کہ انسان پُر مسرت کل کیلئے آج کو حق کی اطاعت میں گزارے۔ محسن کے انعامات اور احسانات کے جواب میں انسان کیلئے صرف اطاعت کا میدان رہ گیا ہے۔

عقل اور بصیرت کے حدود

عقل اور دماغ، خدا کا بیش قیمت عطیہ ہے لیکن عقل سے کام لینے میں اسکی صلاحیتوں اور اسکی قوت کی حد کو بھی پیش نظر رکھتا ہے۔ چنانچہ اُسکی ایک حد ہے اُس کے آگے اس پر بار ڈالنا اس پر ظلم ہے۔

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کار حیات

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نو
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

اقبالؔ

سائنسی علوم اسی عقل کی دَین ہیں اور انسانی ذہن کا کرشمہ ہیں لیکن باوجود ان سب باتوں کے سائنس دان کا اعتراف ہے کہ عقل کی ایک حد ہے وہ حد یہ ہے کہ وہ کسی چیز کی حقیقت تک ہمکو نہیں پہنچاسکتی وہ صرف اس قدر بتلاسکتی ہے کہ وہ چیز کیا ہے لیکن وہ یہ نہیں بتاسکتی کہ ایسا کیوں ہے یہ سب عقل کی سرحد سے باہر کی باتیں ہیں۔ مثلاً پانی دو ہائیڈروجن (2 hydrogen) کے ایٹم اور ایک آکسیجن کے ایٹم کے ملنے سے پانی کا ایک سالہ وجود میں آتا ہے۔ لیکن سائنس اسکی وجوہات اور اسکی توجیہ نہیں کر سکتی۔ پانی کیا ہے۔ HO_2 کا سلم ہے اگر کوئی پوچھے کر یہ تناسب کیوں ہے؟

اسکا جواب سائنس کے پاس نہیں ہے۔ انسان کے دماغ اور ذہن کی ایک حد ہے۔ حقیقت تک جانے کیلئے اس پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

سائنس کا میدان اور سائنس کا موضوع تو صرف وہ حقائق ہیں جو ہمارے حواس کی گرفت میں آسکتی ہیں جنکو ناپا اور تولا جاسکتا ہے لیکن سائنس دان حقائق کو نہیں جان سکتی جو ہمارے حواس ظاہری سے باہر ہیں اس طرح سائنسی علوم کا دائرہ بھی موجودہ دنیا اور مادہ اشیاء تک ہی محدود ہے۔ اب اگر انسان اپنی کم فہمی اور تنگ نظری کی بناء پر عالم ظاہر کو اور حاضر و موجود کو اور مادی چیزوں ہی کو آخری حقیقت سمجھ لے اور ان کے باہر کی دنیا کو یا ان کے باہر کی حقیقتوں کو نظر نہ آنے کی بناء پر انکار کر بیٹھے تو غلطی ہوئی یا نہیں کیونکہ اہمیت کی حامل ہونے کے باوجود اس میں یہ قوت اور یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ ہمکو زندگی کی آخری سچائی (ultimate reality) سے باخبر کر سکے۔ ہماری مادیاتی فکر میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ زندگی کی اصل حقیقت کو ہم پر منکشف یا ظاہر کر سکے۔

Bright man سائنس دان کا کہنا ہے کہ انسانی عقل کسی چیز کے متعلق بھی آخری دلیل، کامل شہادت (perfect proof) اور منطقی یقین فراہم نہیں کر سکتی اس طرح انسانی علم، انسان کو ناقابل تردید یقین تک پہنچانے میں ناکام ہے۔ سر جیمس جینس (James Jeans) کا کہنا ہے کہ جدید سائنس ان عمیق اور گہرے مسائل کے متعلق جو ہمیشہ کیلئے ہماری گرفت سے باہر رکھے گئے ہیں کچھ کہنے میں ناکام ہے۔

Max Planck(ماکس پلانک) کا کہنا ہے کہ علم طبیعات (physics) کے سب شعبوں میں جن کا اس دنیا سے تعلق ہے اور جن کا علم ہم کو حواس ظاہری سے ہوتا ہے اس کے بارے میں ہماری عقل ہم کو بتلاتی ہے کہ فطرت کے قوانین(Natural Laws) اُس وقت سے اِس دنیا میں ہیں جبکہ کرہ ارض پر زندگی کا ظہور ہی نہیں ہوا تھا۔ اور یہ وہ قوانین ہیں جو انسان کے خاتمے کے بعد بھی باقی رہیں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ اس موجودہ دنیا کے علاوہ ایک حقیقی عالم بھی ہے جو انسان کے علم، نظریات اور تصورات کے ماتحت نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ قانون رہیگا تو دنیا بھی دوسری رہے گی۔

ڈین انچ سائنس دان لکھتا ہے کہ یہ عالم زمان و مکان حقیقی عالم نہیں ہے بلکہ یہ حقیقی عالم کا ایک جز ہے۔ یا پھر حقیقی عالم کا جُزوی اظہار اور اس کا نا مکمل وجود ہے۔ دانشوروں کا کہنا ہے کہ یہ دنیا کسی حقیقی دنیا کا محض جزوی عکس ہے۔ ایسی صورت ہیں عقل کیلئے یہ کام اور مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے بل پر حق کو دریافت کر سکے۔

انسانی عقل کی مابعد الطبیعاتی (metaphysics) یعنی الٰہیاتی علم کی مدد اور اسکے تعاون کی منتظر رہتی ہے۔ کیونکہ سائنس کی مجبوری (limitation) اس خصوص میں واضح ہے۔ سائنس انسان کو وہ قوت اور طاقت بخشی ہے کہ جسکی مدد سے وہ چیزوں کے استعمال کو جانتا ہے۔ اب اس کا استعمال صحیح کرنا یا غلط کرنا اس کے اختیار کے حوالے ہو گیا چنانچہ اکثریت نے اس کا

غلط استعمال کیا جسکی وجہ سے انسانی تہذیب اور انسانیت تباہ ہو گئی اسطرح سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسان کی انسانیت میں تنزل اور پستی آ گئی۔

عقل چیزوں کی فوری اور حاضر مقصد کو جانتی ہے لیکن اصل اور حقیقی مقصد بتانے میں ناکام ہے۔ کیونکہ انسان کی بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی پر ایک ساتھ مُتَوازِن (Balanced) نگاہ نہیں ڈال سکتا ایسی وجہ سے وہ اپنے لئے اور اپنی زندگی کیلئے کوئی راستہ متعین نہیں کر سکتا۔ ایسا راستہ جس میں اسکی تمام قوتوں، صلاحیتوں، جذبات اور نفسیات کی رعایت اور لحاظ کیا گیا ہو اور اسکی تمام فطری خواہشات اور آرزوؤں کے ساتھ بھی انصاف کیا گیا ہو۔ ابن خلدون نے تاریخی مقدمہ میں لکھا ہے کہ توحید، آخرت اور نظریہ رسالت کو عقل کی میزان سے تولا نہیں جا سکتا مختصر یہ کہ مابعد الطبیعات سے متعلق مسائل کے سلسلے عقل انسانی بے جس ہے۔

مفکّر کانٹ اپنی کتاب موسوم "عقل خالص کی تنقیدی تحقیق" میں لکھا ہے کہ عقل کی قوت بہت ہی محدود ہے اور اسکے ساتھ ہی بہت سے مختلف اوہام یعنی شکوک و شبہات بھی پائے جاتے ہیں۔ اسلئے صرف عقل کے ذریعے سے حقیقت کی انتہاء (Ultimate trust) تک ہماری پہنچ ناممکن ہے۔

عقل عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بلند مرتبہ عطا کیا اور اس کی وجہ سے انسان کو بلند اور برتر مقصد کیلئے (خلافت) کیلئے منتخب کیا لیکن اسکی

محدودیت کی بناء پر اسکی مدد بھی فرمائی۔ جسے آنکھ دیکھنے کیلئے دیا لیکن روشنی سے اسکی مدد فرمایا ورنہ انسانی آنکھ کے باوجود اندھا ہی رہتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کان دیا تاکہ سن سکے لیکن کانوں کی مدد اسطرح ہوا سے کیا کہ اسکے ذریعے آواز کو کانوں تک پہنچایا تاکہ اس کا مقصد پورا ہو سکے ایسی طرح وانسان کو عقل عطا فرمایا اگر اسکی محدودیت کی بناء پر الاہیات کے ذریعے سے مدد نہ کرتا تو حقیقت تک رسائی ناممکن ہو جاتی۔ چنانچہ عقل کی محدودیت کی بناء پر اسکی مدد حسب ذیل اعتبار سے کیا۔

شعور۔ مخلوق چونکہ روح اور جسم کا مجموعہ ہے اسلئے ساری مخلوق میں اللہ تعالی نے شعور (Consciousness) کی تین سطحیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حیات کو شعور عطا کیا ہے۔ یہ شعور کہاں سے آیا اس کا جواب سائنس کے پاس نہیں ہے۔ سائنس دانوں میں سے ڈاکٹر بک نے شعور (تمیز ، سمجھ ، عقل) کی تین سطحیں بتلائی ہے

عام شعور (Simple Consciousness) یہ شعور ہمکو جانوروں اور نباتات کی سطح پر ملتا ہے۔ اسکو جِبلّی ہدایت بھی کہا جا سکتا ہے جسکی مدد سے نباتات ہوں یا حیوانات ہوں انسان کی خدمت کیلئے حاضر رہتے ہیں۔

شعور ذات (Self Consciousness) عام انسان، شعور کے اعتبار سے اس سطح پر ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے بارے میں سوچتا ہے۔ فانی زندگی میں دائمی زندگی کا وہ خواہش مند بھی ہوتا ہے وہ غور و فکر بھی کرتا ہے اور اسکے

پاس لطیف جذبات بھی ہیں اسکے پاس فکر اور تجربات کا جذبہ اور جستجو بھی ہے۔

شعور آفاقی (Cosmic Consciousness) شعور کی یہ سطح عام لوگوں کی سطح سے بہت اونچی ہے اس سطح پر وہی اشخاص ہمکو نظر آتے ہیں جنکو دنیا میں لوگ نبی یا پیغمبر کہتے ہیں۔

روح انسانی اور اس کی صفات

روح انسان اور اسکی صفات کو سمجھنے میں جو دشواری پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان، روح کے مقابلے میں اپنی زندگی میں، جسم کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے جیسے مادی جسم کو صحتمند رکھنے کی خاطر اور اسکی حاجات کو پورا کرنیکی مسلسل کوشش کے ساتھ ساتھ اس کی فکر میں رہتا ہے کہ اسکی عقل اور اسکے حواس کو اسبات کا موقع ہی نہیں ملتا کہ انسان کے جسم کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہے جو اس سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ چنانچہ معیار زندگی کو اونچا کرنیکی محنت اور مشغولیت کی وجہ سے زندگی سے ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اسکی بے حسی روحانی زندگی کے بارے میں کامل ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ روحانی زندگی کا آخر میں انکار کر بیٹھتا ہے اور اپنی اس روش کو صحیح ثابت کرنے کے لئے غیر معقول دلائل دیتا ہے۔ حالانکہ وہ ایک مجرمانہ غلطی کر بیٹھتا ہے کہ اس نے وجود، بقاء وجود اور بقاء نسل آدم کے انتظامات اور اشتمامات، جن کا تعلق دنیا سے اور اسباب دنیا سے ہے اُن

میں اپنا عرصہ حیات گزار دیا حالانکہ یہ سب چیزیں ذریعہ حیات کے لوازمات ہیں لیکن ان میں کشش اور ان کے حصول میں جب دنیا اور خواہشات نفس کا اس قدر دباؤ تھا کہ ان ہی کو مقصد حیات سمجھ گیا۔ سنوارنا تو روح کو تھا لیکن سنوارا جسم کو۔ روح سوار ہے اور جسم سواری ہے۔ سواری کو سجانے میں وقت لگا دیا۔ ایک مفکر کا مقولہ قابل غور ہے۔ حقیقت میں انسان تو ایک روح ہے جسکو ایک جسم ملا ہے، نہ کہ انسان ایک جسم ہے جسکو روح ملی ہے یا جس کے ساتھ روح بھی لگی ہوتی ہے۔ مذکورہ مقولہ کی روشنی میں روح اپنی محنت کا مرکز بننا تھا اسکے برعکس جسم پر محنت لگ گئی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر شعور ذات کے علاوہ تین باتیں اور رکھ دی ہیں۔ (۱) اخلاقی شعور (۲) روحانی شعور (۳) ضمیر کی آواز۔

اخلاقی شعور کی تفصیل یہ ہے کہ اسکی رو سے اچھے اور برے میں تمیز، نیک اور بد میں تمیز آسان ہو گئی، اسکے آگے انسان کے اندر روحانی شعور رکھا تاکہ اسکی رو سے اسکے اندر اپنے محسن اعظم یعنی اللہ کی ذات کی تلاش اور جستجو کا جذبہ بھی رکھ دیا۔ ان دونوں کے علاوہ انسان کے اندر خیر (Conscious) نام کی ایک چیز بھی رکھ دی کہ جو اسکو ہر موقع پر جبکہ وہ برائی کا ارادہ کرتا ہے ٹوکتی ہے۔﴿وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾ [القيامة: ٢] انسان کے اندر اس قوت کا پایا جانا ایک لطیف اشارہ ہے اسبات کا کہ یہ کسی بڑی حقیقت کا مظہر ہے۔ نفسیات کے نقطہ نظر سے انسان کا تجزیہ کیا گیا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ انسان کو پستی اور بے عزتی پسند نہیں ہے وہ

چاہتا ہے کہ اسکو عزت اور اکرام حاصل ہو۔ اسکے فطری رجحان میں شعور ذات (Self Consciousness) اور خودداری یعنی (Self-respect) اپنے وقار کا احساس، عزم اور ارادہ جیسے اوصاف بھی موجود ہیں جن سے اسکی شخصیت (personality) نمایاں ہوتی ہے۔

شخصیت کی محافظت اور اس کا ارتقاء، انسان کی ایک بڑی ضرورت ہے۔ پھر ایسی شخصیت کا منبع کوئی ذات مطلق ہی ہو سکتی ہے یہ بے روح مادہ کا کرشمہ نہیں ہو سکتا۔ اس مادی دنیا میں ذات مطلق کی کرشمہ سازی اسبات کا ثبوت ہے کہ اس عالم کے پیچھے لازماً کوئی عظیم ہستی کارفرما ہے جس کے تحت یہ کارخانہ عالم چل رہا ہے۔

شُہُود اور غیب اور غیب کی اہمیت

زندگی ہیں جو کچھ ظاہر ہے وہ بہت تھوڑا ہے اسکے مقابل جو کہ پوشیدہ ہے۔ جسم ظاہر ہے اسکو سبھی دیکھتے ہیں لیکن روح پوشیدہ ہے اور اسکی صفات بھی پوشیدہ ہیں یہ سب عقل سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔

عقل کی پرواز -- زمینی زندگی میں انسان کا مقصد کیا ہے سفر حیات کی منزل کیا ہے ؟ موجودہ زندگی کا قانون کیا ہے ؟ انسان کو کس قسم کا کردار ادا کرنا ہے ؟۔ کائنات کا خالق اور منتظم کون ہے ؟ اور تخلیق کا نا کائنات سے اُس کا مقصد کیا ہے ؟ کس منصوبے کے تحت کائنات کو چلا رہا ہے ؟۔ ان سارے سوالات کا جواب نہ تو عقل کے پاس ہے اور نہ کسی اور کے پاس ہے کیونکہ

عقل ایک حد تک ہی ہمارا ساتھ دیتی ہے یہ سوالات اسکی حد سے آگے کے ہیں۔

عقلِ بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

شکوک اور شبہات اور ظن و تخمین (وہم و گمان) سے نجات پانے کیلئے عقل کے علاوہ کسی اور ہدایت کی رہنمائی کی ضرورت ہے کیونکہ غیب کے اندر عقل جھانک بھی نہیں سکتی اور غیب کا علم صرف نبیوں ہی کو دیا جاتا ہے۔ اسی لئے جو لوگ رسالت کا انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے سوال کرتا ہے کہ کیا ان کے پاس علم غیب ہے وہ اسکے مطابق لکھ رہے ہیں۔﴿أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ﴾[القلم: ۴۷]۔ کیا ان کے پاس علم غیب ہے کہ وہ اس سے دیکھ رہا ہے۔﴿أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ﴾ [النجم: ۳۵]۔اسی طرح،﴿أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا﴾ [مریم: ۷۸] کیا اس نے غیب کی خبر پالی ہے یا خدا کے یہاں (سے) عہد لے لیا ہے؟۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب غیب کے بارے میں انسان کو علم ہی نہیں ہے تو اسکی سوچ اس کا عمل اور اسکے اصول و ضوابط کس طرح شکوک اور شبہات سے پاک ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نقشوں سے کائنات بھری ہوئی ہے کہ اس نے ہماری چھوٹی سی چھوٹی ضرورت کو بھی نظر انداز نہیں کیا اس نے ہم کو وجود بخشا اور بقاء وجود والی زمین پر بسایا اسکے علاوہ جمالیاتی ذوق کی تکمیل

کیلئے خوش رنگ اور خوبصورت پھول بھی دیے، ادھر سونگھنے کی قوت بھی دی، ننھے بچوں کو دودھ کا انتظام کیا، ماں باپ کے دلوں میں انکی محبت بھر دی یہاں تک کہ انکی سرپرستی کے جذبے سے اس قدر سرشار رہتے ہیں کہ وہ خود کو بھی فراموش کر دیتے ہیں۔ ان سب کے باوجود یہ سب ذریعہ حیات اور بقاء حیات کا ہی اہتمام ہوا جسکو ثانوی حیثیت حاصل ہے تو کیا مقصد حیات کے سلسلے میں زندگی گزارنے کیلئے وہ اس بات کا بندوبست نہیں کرے گا جبکہ اولیت اُسی کو حاصل ہے اس کے جواب ہیں ہم کہیں گے کہ وہ رحیم وکریم ذات اس کا بندوبست بہتر طریقہ پر انسانوں کی بہتری کیلیے کرے گا۔

ہدایت کا عام وجودی نظام

انسان کو حواس خمسہ کے ساتھ ساتھ سوجھ بوجھ کی قوت بھی دیگئی ہے جس سے وہ پوری زندگی میں کام کیا ہے۔ مندرجہ ذیل طریقوں سے مخلوق کو وجودی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

۱. جِبِلّت (Instinct)

۲. وجدان (Intuition)

۳. ضمیر (Conscious)

وجودی ہدایت قرآن نے وحی اور الہام سے موسوم کیا ہے اسکو وحی اور الہام سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اشارہ ما بعد الطبیعاتی ذرائع یعنی

Supernatural means سے ہوتا ہے اس پہلو سے اسکو وحی اور الہام سے موسوم کیا گیا ہے۔

قرآن نے لفظ وحی کا استعمال بہت وسیع پیمانے اور وسیع انداز میں کیا ہے کیونکہ وجودی ہدایت میں بڑی آفاقیت پائی جاتی ہے جیسا کہ قرآن میں آتا ہے کہ آسمان بھی وحی کی پیروی کرتا ہے زمین اور فرشتے بھی وحی سے جڑے ہوئے ہیں۔ شہد کی مکھی بھی ہدایت کے اس نظام سے مستفید ہوتی ہے۔ مچھلی اسی ہدایت سے پانی میں تیرتی ہے۔ بچہ دودھ چوسنے میں اسی رہنمائی پر عمل کرتا ہے۔ اس طرح ہر ایک روح کو اسکی حیثیت اور اسکی جسمانی حالت کے لحاظ سے الہامی علم عطا ہوا ہے۔ جانوروں کو انکی ضرورت کے مطابق الہامی علم ملتا ہے۔ پرند کا ہوا یا کا گھونسلا بنانا۔ شہد کی مکھی کا اپنا چھتہ بنایا۔ ان سب باتوں کی تربیت اسی الہامی ہدایت سے ہوتی ہے۔ اسکے برعکس انسانوں کی ہدایت کیلئے زندگی کے ہر شعبے میں نبیوں کے ذریعے جو ہدایت دی جاتی ہے اسکو رحی جلی کہتے ہیں۔

وجدان (Intuition) کبھی کبھی کسی چیز کے متعلق کچھ سوچ جاتی ہے ایسا کسی باطنی عمل کے سبب ہوتا ہے اسکو وجدان کہتے ہیں۔ چنانچہ دنیا میں جو مفید اور کارآمد ایجادات ہوے اور ہو رہے ہیں ان کے پیچھے اسی رہنمائی کا بڑا حصہ ہے۔

ضمیر (Conscious) ہر شخص میں ضمیر موجود ہے جو اسکو ہر ایسے موقع پر ٹوکتا ہے جب وہ کوئی بڑا کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کی تفصیل آ چکی

ہے۔ چنانچہ ضمیر کی آواز کو ایک عام آدمی بھی محسوس کر سکتا ہے۔ لیکن اکثر گناہوں کی کثرت، جہالت اور خراب ماحول کی بناء پر یہ غیبی آواز مدھم پڑ جاتی ہے اور انسان اس آواز کی طرف سے بے حس ہو کے رہ جاتا ہے۔

بڑی ہی سخت سزا تھی ہماری مجبوری
کہ ایک وقت گزار آئے بے ضمیروں میں

اسطرح ہدایت وجودی ہر مخلوق کی تخلیق میں ہے اسکے علاوہ تخلیق میں ارادے اور مقصد کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے یہ بھی فطری اور وجودی ہے۔ ان کے علاوہ مخلوق میں عقل بھی رکھ دی گئی جس کی ایک حد ہے۔ مذکور ہدایات کی قسموں سے کسی قدر اور آگے دو قسم کی ہدایات دی گئی ہیں (۱) کشف (۲) سچے خواب۔

کَشْف: (Vision) کشف کے لفظی معنیٰ غیب کی باتوں سے پردہ ہٹانا۔ اسکا دوسرا نام بھی ہے جیسے الہام۔ لیکن یہ اس قدر واضح نہیں ہوتے کہ ان سے انسانی زندگی کے پھیلے ہوئے اقسام حل ہو سکیں۔

سچے خواب: غیبی طور پر ہدایت کا ایک ذریعہ خواب بھی ہے اس لئے سچے خواب کو نبوت کا چھیالسواں (۴۶) حصّہ کہا گیا ہے (بخاری و مسلم) حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سلسلہ نبوت تو ختم ہوا لیکن نبوت سے ملتی جلتی جو چیز ہے وہ سچے خواب ہیں۔ یعنی ایسی بات یا ایسی خبر جس کے حاصل کرنے کا انسان کے پاس کوئی خارجی یا مادی ذریعہ نہیں ہو سکتا تو خدا کے فرمانبردار

بندوں کو خوابوں کے ذریعے سے اسکی خبر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سچے خوابوں سے انسانی تاریخ میں بڑا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

جیسے یوسف علیہ السلام کا خواب یا مصر کے بادشاہ کا خواب قحط کے سلسلے میں جو ہوا۔ مذکورہ تفصیل سے یہ بات پاء ثبوت کو پہنچ گئی کہ انسان کے پاس حصول علم کے جتنے بھی ذرائع ہیں وہ اسکی زندگی کے ہر شعبے میں ہدایت کیلے اور رہبری کیلئے ناکافی ہیں خصوصاً جبکہ اسکو خلیفتہ الارص کی خدمت اور منصب سے نوازا گیا، اُدھر انسان کو آزادی اور اختیار جیسی نعمتیں دی گئی ہیں کہ وہ جس طرح چاہے اور جو چاہے کرے یا نہ کرے ایسی صورتحال میں دنیوی ماحول میں انسان اپنی آزادی کا غلط استعمال کرنیکی طرف زیادہ مائل رہتا ہے۔ ایسا کرنے میں اسکے لئے بعض عناصر مددگار ہو جاتے ہیں جیسے اسکے نفسی خواہشات، آرزو، ارمان، خود غرضی، حسد، حرص و طمع، وغیرہ یہ سارے اسباب ایسے ہیں جو اللہ کی نظر میں انسانی زندگی کو مقصد حیات سے دور کرنے والی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانی رہبری کی کامل صورت کیلئے انبیاء کو بھیجنا ضروری سمجھا۔ دوسرا یہ کہ جو بھی ہدایت انسان کو بذریعہ نبی ملے اس پر رضا و رغبت سے عمل پیرا ہو نیکے لئے جزا کے قوی محرکات بھی ہوں تاکہ انسان کو احکام الٰہی پر عمل پیرا ہونیکے لئے ایک ترغیب کا سبب بن سکے۔

پیغمبروں کے ذریعے خدا نے انسانی زندگی میں جو رہنمائی کی ہے وہ انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور انسان کیلئے سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان کی عقل و بصیرت اور دیگر روحانی توانائیاں ادھوری رہ

جاتیں۔ اسی کامل اور مستند ہدایت کو نبوت اور رسالت کہتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ انسانی معاشرے میں اسکو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو کہ اسکو ملنی چاہیے۔

نبوت اور مقام نبی

قرآن مجید میں نبوت (Prophethood) کو اللہ کی رحمت سے موسوم کیا ہے۔ ساری مخلوق کو انسان کے تحت کر کے انسان کو اشرف المخلوقات اور خلیفۃ الارض کے خطابات سے نوازنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضہ ہوا کہ انسان کی اہم ضرورت کو پورا کر دیا جائے تاکہ اسکے تَفوِیض کردہ مناصب کو وہ بخوبی انجام دے سکے۔ پیغمبر اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے جس پر وحی نازل کی جاتی ہے۔ وحی کی اہمیت انسانی زندگی میں اس قدر ہے کہ وہ اسکے ذریعے سے انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ وحی کا علم انسانی تجربے کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ عقل کو وحی کا علم آہستہ آہستہ ہوتا ہے لیکن روح کو اس کا علم فوراً ہو جاتا ہے روح اسکو فوراً پا لیتی ہے۔ وحی انسان کی عقل کیلئے مددگار ہے۔ وحی کی وجہ سے انسان زندگی کے مقصد سے واقف ہو جاتا ہے۔ اُسکے علاوہ دنیاوی معاملات میں بھی کامل رہبری ملتی ہے۔

مقام نبی : نبی شعور کی انتہائی بلندی پر ہوتا ہے۔ نبوت در حقیقت ایسے وصف کا نام ہے جس کے ذریعے سے ان چیزوں کے علم کا حصول ممکن ہو جاتا ہے۔ جن کا علم حواس ، عقل اور محض بصیرت کے ذریعے نہیں ہو سکتا۔ نبیوں کے قلوب اور روح کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو پھر ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔

نبیوں کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جس حق کی طرف انسان کو دعوت دیتے ہیں اور جن احکام اور اصولوں کی پیروں پر زور دیتے ہیں۔ ان کی پیروی کا منشاء خود انسانی روح کی بالیدگی (ترقی) ہے کیونکہ ان سے ناآشنائی اور ناواقفیت کی وجہ سے روح انسانی، پستی میں گرجاتی ہے جسم اور عقل کی غلامی میں چلی جاتی ہے۔

خدااور ہمارے درمیان مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنا اور اسکے خاطر احکام الٰہی کی پیروی کرنا یہ خود اپنی فطرت کا احترام ہے۔ فطری احکام کی پیروی کر کے ہی سارے حیوانات اور ساری مخلوق زندہ ہے۔ اور خدا کی مرضی کی متابعت ہی کی وجہ سے کائنات کا وجود ہے اور دنیا میں خوبصورتی اسکی فطرت کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

نبیوں کے ذریعے ہمکو اعلیٰ شعور کی سطح پر فطری احکام کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جب کی انسان اپنی اختیاری زندگی میں پیروی کر کے ہی فلاح پا سکتا ہے۔ نبی ہم کو ہماری حقیقی فطرت سے واقف کراتا ہے۔ اور ہم کو ہماری حقیقی آزادی سے اور ضرورتوں سے باخبر کرتا ہے۔

نبی کی حیثیت در حقیقت حق اور فطرت کی آواز ہوتی ہے اسلئے اسکے لائے ہوئے دین کو دین فطرت اور اس کی تعلیمات کو معروف یعنی وہ چیزیں جن سے ہماری فطرت واقف اور جن کو فطرت صحیح جانتی ہے۔ اور اسکے دکھائے ہوئے راستے کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔ اور منکر کے معنی وہ چیزیں ہیں جو روح انسانی کیلئے اجنبی ہوں۔ نبی کا کام یعنی تذکیر ہے۔ نبی کا کسی قوم میں آنا اس قوم کیلئے آزمائش ہو جاتی ہے۔ نبی ہمارے لئے خدا کی معرفت

اور خدا تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ نبی ہم سے ہماری بے ہوشی اور غفلت کو دور کرتا ہے۔ نبی چاہتا ہے کہ ہمارے اور حقیقت کے درمیان جو پردہ ہے وہ ہٹ جائے تا کہ غیب اور اس علم حقیقت کی جھلکیوں کو کسی نہ کسی حد تک ہم محسوس کر سکیں اسطرح انسانی فطرت کو خارجی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نبیوں کو انسانی فطرت کا مددگار بنایا جاتا ہے۔ نبی کی پہلی تعلیم ایک خدا اور اعمال کے بعد کے نظریے کو انسان تسلیم کرے۔

توحید اور جزائے اعمال

نبی دنیا میں آتے رہے ہیں تا کہ لوگ اس راز سے واقف ہو سکیں کہ انسانی زندگی کا منشاء کیا ہے خدا کا منصوبہ تخلیق کائنات اور انسان کیا ہے۔ غیب کے بارے میں صحیح اور مستند علم انسان کو ملے جو انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔اس علم کی اس قدر اہمیت ہے کہ ہم اسی کی روشنی میں آج کے دن کی قدر و قیمت کا تعین کر سکیں۔اس طرح نبوت، انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے اور اس سے صرف نظر گویا اپنی زندگی کی قدر و قیمت سے توجہ ہٹانا ہے جو کہ جرم عظیم ہے۔ غیبی علم سے بے خبری اور عقلی رہبری سے زندگی گزارنا بڑی غلطی ہے۔کیونکہ غیب کی رہبری ہی سے مقصد حیات کا تعین ہو سکتا ہے۔

اب سائنس دانوں کے نزدیک یہ بات اعلیٰ سطح پر تسلیم کر لیگئی ہے کہ اشیاء کو ان کی آخری صورت میں دیکھنے کی بات تو محض فریب ہے۔ ماہر

ریاضیات وائٹ ہیڈ کے نزدیک جدید معلومات یہ ثابت کرتی ہیں کہ فطرت بے روح مادہ نہیں ہے بلکہ زندہ فطرت ہے۔Nature is alive. کائنات کی آخری ماہیت ذہن ہے۔ یعنی مشین اپنے آخری تجزیہ میں، انجیر کا ذہن ہے یعنی مشین سے پہلے ایک ذہن ہے۔ اس طرح کائناتی حقیقت مادہ نہیں ہے بلکہ تصور ہے۔ اور وہ ایک ریاضیاتی مفکّر کے ذہن میں ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

مؤلف

الحاج قاری محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ) بی۔ کام (عثمانیہ)

ڈی۔ یف۔ ی۔ ناگپور کالج

" مولف کتاب "اصلاحی تحفہ" خادم تدریس القرآن باہتمام

باہتمام

صاحبزادہ محمد طاہر علی